

© rasailojaraid.com

لہ دعوت الحق قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ
جولائی ۱۹۶۹ء



جلد نمبر : ۴
شمارہ نمبر : ۱۰



اسٹیمپ کے

سمیع الحق

۲	نقش آغاز (چاند کی تسخیر)
۱۱	عل حرام کا وبال (اسلامی معیشت کا ایک پہلو)
۱۸	محمد الرسول اللہ بحیثیت داعی الی اللہ
۲۴	سیدنا حاجی امداد اللہ کے علوم و معارف
۳۰	مدنی شیخ کی مجلس میں (ملفوظات)
۳۷	شاہ محمد اسماعیل شہید
۴۵	آہ شیخ الشیوخ العباسی المدنی
۵۰	وحدت و امامت کلمہ طیبہ کی روشنی میں
۵۵	احکام و مسائل (ٹیلی ویژن)
۵۶	انکار و تاثرات
۶۱	تبصرہ کتب
	قارئین
	ادارہ

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

بدل اشتراک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نقش آغاز



سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو ۱۱ کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سپارہ چاند انسانی قدموں کے زیرِ ہوا چاہتا ہے، مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاکھلی طبیعیاتی علوم میں ناچنگلی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساسِ کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے، آج کی فرصت میں اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانہ عالم اپنی تخلیق و بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلہ علت و معلول کا منت پذیر نہیں، بلکہ یہ نہایت منظم اور پر حکمت کائنات ایک ہی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے، انسانی فطرت کی اس بارہ میں جستجو اور سمجھنی ہے، اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابلِ تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقائد اور فلاسفہ قدیم یا عصر حاضر کے باہرین طبیعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب فکری انتشار، تضاد و بیانی اور بالآخر عجز و دماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔ پھر یہ کائنات عدوت وہی کچھ نہیں جو اب تک ہمارے علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکا ہے۔ بلکہ خداوند قدس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کہ اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا بقنا حصہ ہمارے علم و مشاہدہ میں آچکا ہے، وہ اس لامحدود کائنات کا کھر بواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہِ در ماندہ سے مستور ہے۔ مذہب اسفند اپنے انجمنی

رسول کی نبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد رہا مگر آج کے سائنسدانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی تسلیم ختم کر دیا۔ اور مذہب کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کیم آج سائنس سے ملتا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے۔؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں، کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔۔۔ صرف ستاروں کے لیے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزو اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹلیس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں، ہلکی دور بین سے کئی ہزار قوی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصد گاہ ماؤنٹ پالمر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جیزانیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے، مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے، پھر ان میں سے بعض تارے قہر میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں، پھر ان ستاروں کے درمیانی مسافت اور کثرت ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے، اپنی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے، ان سیاروں میں بہترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں پکر رہا ہے، پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کھکشائیوں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کھکشاں اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے ایک دور میں کروڑ سال میں پورا کرتی ہے پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۹ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے۔ جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشاف کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے، اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے، اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی

اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اسکی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارے میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا :

وَلَوْنُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَوْ لَوْنٍ
وَالْبَحْرِ مِثْلَهُ مِنْ بَعْدِهِ سِدْحَةً الْبَحْرِ
مَا لَفُتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ -
اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ سمندروں
کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی سیاہی بن جائیں
جب بھی خدا کی تخلیقی کار فرماؤں اور حکمتوں کی باتیں ختم
نہ ہو سکیں گی۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے دہرایا علم جنود ربک الہو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے
شکروں کو مگر وہی) اور دما و تیمم من العلم الاقلیل۔ (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر بقول اساعلم) سے اشارہ
فرمایا ہے۔

یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر
کر سکتے ہیں یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے باہر اور عقل و خرد کی ترکست تازیلوں
سے وراء الراء ہے جسے عالم غیب سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری
کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے اسکی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی کائنات
بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جسکی تعبیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام
آتے رہے اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا
دارومدار ہے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے
بے مقصد اور سستی لا حاصل قرار نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اوّل روز سے
علمی قوتوں سے مالا مال کیا۔ (معمد آدم الاسماء کلھا۔) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبیر کرنے
اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کیلئے زیادہ
سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آ رہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے

لیکر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ، اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالق کائنات کی پہچان اور اس کی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو، اس کے چپے چپے میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں اس کا فہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامانِ نعیش کا ایک گنج گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی ہدایت کرم لازمی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برسائے جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و قدر تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ و یخلق مالا تعلمون۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ، سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا رُواں رُواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استعیتم علیہ
وتقولوا سبحان الذی سخر لنا هذا
وما کذلک مقررین وانا الی ربنا
لنقلبون۔

پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے تو اپنے رب کا
احسان یاد کرو اور کہہ دو کہ پاک ذات ہے وہ جس
نے اسکو ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اسی مقصد کے لئے قرآن کریم ہادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں بعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا لله علی ما هذا کہ (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کر دو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

اس وسیع کائنات کا صرف انسان کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبیر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی عکاسی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کیلئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے۔ تو ایک سپتے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گھٹیاں سلجھاتا اور ہدایت و صلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتلاتا ہے۔ مذہب کی حدود و فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں

سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اسکی قوت پرواز خواب دیدیتی ہے، دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعیات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے، خواہ اس کا ظہور کمرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیت اور الہیاست ہیں وہ ہمیں انسان کے گہرے مسائل فطری حقائق نوائیس خداوندی آخرت حساب و کتاب اور قانون مکافات عمل زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائدار امور سے واقف کرتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کیلئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدا ہے وحی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی اور نبوت ہے دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص۔ عین المثربا وایت الثری۔ پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قلم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے اگر سائنس کی کوئی بات مشاہدہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو اگر ایسی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہوگا۔ حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوتی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا، اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اولین تعلیمات سے ملا ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ جب طرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے، دونوں میں تعارض ناممکن ہے دونوں کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں۔

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت کا آہلین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی ہوتی ہے۔ بنی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین بھلائی کی ہدایت خلق کا خالق سے رشتہ ملنا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصروف اور محل میں استعمال کرنا اور اس زندگی کو حیاتِ عبادتانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے، وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدۃ لا شریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے وہ عالم آخرت اور حیات بعد الموت کا ذکر پھرتا ہے تو سائنسی استدلال

اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کرتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے۔؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہوا اسلامیہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہوتی ہیں۔ حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا، چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قلعہ محی موافقۃ للناس والحق۔ کہ یہ توحج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اسکی ماہیت اور حقیقت زمین سے اسکی مسافت اور اس کے قابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ توحیدیت کی کتاب تھی، کیمیا نجوم، ریل اور ریاضی کی نہیں۔ الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی، اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔ پس اگر آج کوئی شخص علماء طبعیات کے کسی کارنامہ سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے۔ تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے دونوں راہیں غلط اور عقلی بے ماگی کی علامت ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ سمجھئے۔ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی دریافت کی تمام تفصیلات اُس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے مستحق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے۔؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اسکی

یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعۃ کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیشنگونی قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اُس وقت کی مخاطب دنیا کا لحاظ رکھا گیا۔ اور جو دن کے اجانے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدقہ کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔

تخلیض ہوتی ہو چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا بڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں وہ سب کے سب فلسفہ یونان رومی علم الافلاک یا بطلمیوسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا، تفسیر حکم کے طور پر ہرگز نہیں، ان تفاسیر میں اگر بطلمیوس اور فیثاغورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہ بن عباس جیسے جبر الامت صحابی اور عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضر کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر زہرہ اور عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے ٹکے ہوئے فائزوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے نیچے میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں منہ کی مانند بڑا ہوا ثابت کرنا چاہتا ہے محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے، اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لایعول علیہا۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱۷ - ۱۸ - ۳۰) اور دیگر تفاسیر۔ قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیکر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے۔ رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود ان کا تعدد ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں اور گذرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے (جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے) کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعویٰ کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی تصنیع اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے، کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر